قرآنی رسم الخط!

قاری ضیاء الحق

علماء محققین و ماہرین نے قرآن کریم کی قراءتِ صحیحہ وغیر صحیحہ کے درمیان فرق اور امتیاز کے لیے جو بنیادی اصول وارکانِ ثلاثہ مقرر کردیئے ہیں، ان میں سے ایک بنیادی رکن مصاحف عثمانی میں سے کسی ایک مصحف کے رسم کے ساتھ موافقت بھی ہے، اب یہ موافقت ظاہراً ہو یا احتمالاً یا تقدیراً۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (شہادت ۳۲ ہجری) نے جو پانچ (یا سات اور ایک قول پر آٹھ) مصاحف لکھوائے تھے، اُن میں سے کسی ایک مصحف میں وہ قراءت لکھی ہوئی ہو، چاہے سارے مصاحف میں نہ بھی ہو۔ دوسرے دو ارکان یہ ہیں: ا:.....نحوی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہو۔ ۲:.....صحیح اور متصل سند سے ثابت ہو۔

یہاں اصل موضوع کی طرف بڑھنے سے پہلے یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ صرف ''خط'' اور ''رسم الخط'' میں بہت فرق ہے۔ ''خط'' کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی کلمے کو اس کے ان حروف ہجاء سے لکھنا جو اس پر وقف اور ابتداء کے وقت پائے جاتے ہیں، جبکہ ''رسم الخط'' کے معنی ہوں گے ''قرآنی کلمات کو حذف و زیادت اور وصل وقطع کی پابندی کے ساتھ اس شکل پر لکھنا جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور وہ پیغمبر ﷺ سے بتواتر منقول ہے۔

''خط'' اور ''رسم الخط'' کے فرق کو ذہن نشین کرنے کے لیے ذیل میں دی گئی مثالوں پر غور کریں تو آسانی ہوگی:

ا:...العٰلمينَ ۲:...الرحمٰن ۳:...الصّٰلحٰت ۴:... هٰؤلآء ۵:...من نبائِ المرسلين

مذکورہ کلمات کا موجودہ خط رسم عثمانی کے موافق ہے، کیونکہ ان میں الف محذوف الرسم ہے، لکھا ہوا نہیں ہے، لہٰذا اس میں ''خط'' اور ''رسم الخط'' دونوں موجود ہیں، لیکن اگر ان ہی کلمات کو درج ذیل طریقہ پر لکھیں:

ا:... اَلعالمين ۲:...الرحمان ۳:...الصالحات ۴:...هاَأُلاء ۵:...من نباءِ المرسلين

www.banuri.edu.pk

اب ان میں خط (کتابت) تلفظ کے موافق ہے، مگر رسم عثمانی کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ ان میں الف مرسوم (لکھا ہوا) ہے، لہٰذا یہاں ''خط'' تو ہے، مگر ''رسم الخط'' نہیں ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن مجید کا یہ رسم الخط توقیفی وسماعی ہے، یعنی پیغمبر ﷺ سے مسموع اور آپ ﷺ ہی کے اَمر و املاء سے ثابت ومنقول ہے اور لوح محفوظ کی ہیئتِ کتابت اور رسم الخط کے مطابق ''منزل من اللہ'' ہے جس میں رائے اور قیاس کا ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ ''**خطان لایقاسان خط القوافی و خط القرآن**'' لہٰذا اس کی اتباع اور موافقت بہرصورت واجب ہے اور مخالفت حرام ہے، محققین علماء کا یہی فیصلہ ہے، چنانچہ علامہ برہان الدین ابواسحٰق ابراہیم بن عمر الجعبری رحمۃ اللہ علیہ (۷۳۲ھ) لکھتے ہیں: ''**رسم المصحف توقیفاً ھو مذھب الأربعة۔**'' (شرح العقیلة)

کتب تواریخ وتراجم بتاتی ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے دور سعادت میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو معروف بالکتابت تھے اُن کی کل تعداد چھپن تھی، ان کو عموماً پانچ قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱:.....کاتبین نبیؐ، یعنی وہ حضرات صحابہؓ جن سے آنحضرت رسول مقبول ﷺ قرآنی آیات اور خطوط نویسی کا کام لیتے تھے، ایسے حضرات چونتیس شمار کیے گئے ہیں۔

۲:.....کاتبین جامعین، یعنی وہ حضرات صحابہؓ جو بذات خود قرآن کریم کو بذریعہ تحریر وکتابت جمع فرماتے تھے، یہ چھ ہیں۔

۳:.....کاتبین مصاحف، وہ حضرات صحابہؓ جو مصاحف عثمانی کی کتابت میں شریک رہے، یہ تین ہیں۔

۴:.....کاتبین حدیث، وہ حضرات صحابہؓ جو وحی خفی یعنی احادیث نبوی کے تحریر کرنے اور کتابت کرنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے، ان کی تعداد سات ہے۔

۵:.....کاتبین محض، وہ حضرات جو طرز اور تحریر کے اسلوب سے بخوبی آگاہ تھے، ان کی تعداد چھ ہے۔ اس طرح گویا تمام حضرات کاتبین صحابہؓ کی کل تعداد چھپن ہے۔

زمانہ اسلام سے بہت پہلے عرب میں علم الانساب اور شعر وشاعری کا بہت چرچا تھا جو قدیم زمانے سے چلا آرہا تھا، مگر یہ سب محض زبانی وکلامی تھا، چونکہ عرب قوم کے حافظے بھی عموماً حیرت انگیز طور پر قوی ہوتے تھے، لہٰذا اسی پر سب کا دار ومدار تھا، تحریر کا رواج نہیں تھا، نہ حرف شناسی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی طلحہ کے تین افراد مرامر بن مرہ، اسلم بن سدرہ، اور عامر بن جدرہ نے کتابت نسخ کی بنیاد ڈالی، انہوں نے قدرتی ذکاوت کی بنیاد پر یکجا ہوکر حروف کی شکل اور وضع قرار دی اور حروف تہجی کو سریانی زبان کی ترتیب پر مرتب کیا، جب یہ اس کام سے فارغ ہوچکے اور حروف کے نقوش اور ان کی صورتوں کی باہمی ترتیب پر قدرت حاصل ہوگئی تو پھر حیرہ کے باشندگان نے باضابطہ اس فن کو ان سے سیکھا، انہی حیرہ والوں کا ایک شاگرد بشیر بن ولید (جو دومۃ الجندل کا رئیس تھا) زیارت کعبہ یا کسی اور

www.banuri.edu.pk

غرض سے مکہ مکرمہ آیا تو وہاں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بہن صہبا بنت حرب سے نکاح کرلیا، پھر حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ (والد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) سے ملا، انہوں نے بشیر سے فن کتابت سیکھنے کی درخواست کی، چنانچہ حضرت ابوسفیانؓ اور ابوقیس بن عبدمناف یہ دوشخص مکہ میں بشیر کے شاگرد بنے، بعد ازیں انہوں نے اہل طائف کو تحریر سکھائی اور قریش کے دیگر قبائل بھی رفتہ رفتہ اس فن کو سیکھتے گئے، اس طرح فن کتابت کا عرب اور حجاز کے اکثر قبائل میں رواج ہوگیا۔ مدینہ منورہ میں قبل از اسلام تحریر وکتابت رائج ومتعارف ہونا شروع ہوگئی تھی، انصار اپنے قصائد واشعار بذریعہ کتابت قلم بند کرنے لگے تھے۔

خط عربی (حمیری) نے تبابعہ کے دور میں ترقی پائی، پھر ان کے ختم ہونے کے بعد آل منذر یعنی سلاطین حیرہ کے ہاں فن کتابت کا رواج ہوا، کیونکہ یہ تبابعہ کے قرابت دار تھے، پھر حیرہ کی شاگردی قریش اور اہل طائف نے اختیار کی۔ جب سلطنت عرب کا دامن وسیع ہونے لگا اور بصرہ وکوفہ کو دارالخلافہ ہونے کا شرف حاصل ہوا، تو اب ظاہر ہے کہ والیان حکومت وارکان سلطنت کو فن کتابت کی ضرورت بھی محسوس ہوئی اور ارکانِ دولت کی سرپرستی کی بدولت اس میں مزید چار چاند لگ گئے اور بڑی حد تک اس میں اصلاحات ہوئیں، چنانچہ خط کوفی آج تک مشہور چلا آرہا ہے۔

عرب کی حدودِ سلطنت بڑھتے بڑھتے جب افریقہ اور اندلس تک جا پہنچیں اور وہاں اسلام کا جھنڈا لہرایا اور بنوعباس نے بغداد کی داغ بیل ڈالی، بغداد چونکہ سلطنت عرب کا مرکز اور دارالاسلام تھا، اس وجہ سے فن کتابت نے یہاں بہت نمایاں ترقی کی، غالباً اسی وجہ سے بغدادی رسم الخط بہت معروف رہا، حتیٰ کہ افریقہ میں اسی کو اختیار کیا گیا، البتہ اندلس میں بنوامیہ نے اپنے خط کو دیگر صنائع کی طرح بہت ہی ممتاز اور جدا کرلیا۔ پھر جب سلطنتِ اسلامیہ تنزل اور زوال کا شکار ہوئی تو خط وکتابت ہی نہیں تمام علوم وفنون نے اپنا منہ موڑ کر رخ تبدیل کرلیا اور مصر وقاہرہ میں جاکر اس کو عروج حاصل ہوا۔

کتابت وتدوین قرآن

عموماً قرآن کریم کی کتابت وتدوین کو نمایاں طور پر تین ادوار میں تقسیم کردیا گیا ہے:

ا:..... پہلا دور، دورِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)

نزولِ وحی کے وقت جب کوئی آیت یا آیات وسورت نازل ہوتی تھیں تو آنحضرت پاک ﷺ اُسے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بلاکر لکھوادیتے تھے، یہ حضرات کاتبین وحی اسے کبھی ہڈی پر، کبھی کھجور کی ٹہنی یا چھال پر اور کبھی پتھروں کی ہموار تختی پر لکھ لیا کرتے تھے، اس طرح پورے کا پورا قرآن مجید پیغمبر ﷺ کے دورِ مبارک ہی میں پورا ہوگیا تھا، تاہم اُس وقت اکثر دارومدار حفظ صدری پر تھا، عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بغیر دیکھے صرف سن کر خداداد قوت حافظہ کی بدولت اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے۔

۲:.....دوسرا دور، دورِ صدیقی

پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہونے کی بنا پر درمیانی اضافہ جات کی گنجائش باقی نہ رہی، قرآن کریم جواَب تک باضابطہ طور پر کتابی شکل میں مجتمع اور یکجا حالت میں نہیں تھا، دورِ صدیقی میں یکجا کردیا گیا، جس کا مختصر پس منظر یہ تھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت راشدہ میں یمامہ کے مقام پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں شہدائے اسلام کی کل تعداد بارہ سوتھی اور بہت سے مجروح تھے، حاشیہ بخاری شریف صفحہ: ۷۴۵ پر مذکور ہے کہ ''کان عدۃ من القراءِ سبع مائۃ ''یعنی اس جنگ میں شہید ہونے والے حفاظ وقراء کی تعداد سات سو تھی، جبکہ ان قراء میں حضرت سالم رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کی بڑی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ یہ ان چار جلیل القدر قراء میں دوسرے نمبر پر تھے جن سے پیغمبر ﷺ قرآن مجید پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری شریف، جلد:۲،ص:۷۴۸)

نیز یہ کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوجی دستہ تھا وہ خاص اہل قرآن یعنی قراء وحفاظ کا دستہ سمجھا جاتا تھا، یہ سب حضرات ایسے تھے جن کے پاس قرآن مجید تحریری شکل میں بھی تھا۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس اندوہناک صورت حال سے سخت اندیشہ اور فکر لاحق ہوئی، جبکہ واقعے کی اہمیت کا بھی یہی تقاضا تھا، اگر بعد میں بھی ایسے جنگوں کے واقعات رونما ہوتے جن میں قراء وحفاظ شہید ہوتے رہتے تو امت مسلمہ کی اس عظیم نعمت ولازوال دولت سے محروم ہوجانے کا قوی اندیشہ تھا، چنانچہ آپ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی توجہ اس جانب کرائی اور آپ نے قرآن پاک کے تمام حصوں کو یکجا طور پر جمع کرنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ (بخاری، ج:۲،ص:۷۴۵) اس سلسلے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تتبع اور جمع قرآن کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لکھنے اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لکھانے کا حکم فرمایا۔ انتہائی احتیاط کے پیش نظر ان دونوں حضرات نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جن حضرات صحابہؓ کے پاس سے قرآن مجید اکٹھا کرتے، ان سے دو گواہ اس بات کے لیے لیتے کہ انہوں نے یہ آیات مبارکہ یا قرآن کا حصہ پیغمبر ﷺ کے بتائے ہوئے رسم الخط پر تحریر کیا تھا، اس طرح انتہائی محتاط انداز میں جمع قرآن کا کام انجام دیا گیا۔ یہ نسخۂ قرآنی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کی وفات تک موجود رہا، آپ کی وفات کے بعد امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تاحیات رہا اور آپ کی شہادت ووفات کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ (النشر، ج:۱،ص:۷)

جس حسن انتظام واہتمام کے ساتھ جمع وکتابت قرآن مجید کی یہ عظیم الشان خدمت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے انجام دی اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں کسی بھی قسم کا کوئی سقم یا ادنیٰ فروگزاشت باقی رہی ہوگی! اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ مقولہ نقل کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا جس میں انہوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے وہ اولین ہستی تھے جنہوں نے قرآن کو کتابی صورت میں

جمع فرمایا۔‘‘ (البرہان، ج:۱،ص:۲۳۹)

بہرحال اس عظیم الشان ذمہ داری سے فراغت کے بعد اس کے تصدیق شدہ نسخوں کی بکثرت نقلیں شائع کی گئیں، چنانچہ کوئی مقام کوئی شہر ایسا نہ رہا جہاں لوگوں کے پاس مصاحف کے نسخے نہ ہوں۔

تیسرا دور، دورِ فاروقی

خلیفۃ المسلمین ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی نشر واشاعت کی طرف بطور خاص متوجہ ہوئے، چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ اپنے فوجی افسران کو خط میں لکھا کہ میرے پاس حفاظِ قرآن بھیجو، اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔ امام ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: آپ کے عہد خلافت میں امت کے پاس ایک لاکھ سے زائد قرآن پاک کے لکھے ہوئے نسخے موجود تھے، اسی کے ساتھ باجماعت نماز تراویح کی بنیاد آپ نے ڈالی اور پوری مملکت میں اسے نافذ فرمایا، حفظ قرآن کی تحریک کو آپ کے اس فرمان سے زبردست تقویت حاصل ہوئی، اُمت مسلمہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بڑا احسان ہے کہ آج اس کے پاس قرآن مجید اسی شکل میں ہے جیسا کہ نزول کے وقت تھا، سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی برکت سے محفوظ طریقہ پر پہنچ گیا۔

چوتھا دور، دورِ عثمانی

جب فتوحاتِ اسلامی کا دائرہ وسیع تر ہوا، اور جزیرۃ العرب سے باہر مختلف امصار و بلاد کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور لسانِ عرب کے مادری زبان نہ ہونے کے سبب اس کے حروف و الفاظ کے صحیح تلفظ واداء پر قدرت ان میں عموماً نہیں پائی جاتی تھی، بایں ہمہ خود قبائل عرب میں مختلف لب ولہجہ کا اختلاف کثرت سے موجود تھا جس کی وجہ سے ان میں مختلف طریقہ اداء تلاوت کے وقت بھی پایا جاتا تھا، اگرچہ فی الحقیقت یہ اختلاف خاص عرب قوم یا عربی زبان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، جیسا کہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’فالهذلي يقرأ: ’’عتّٰی عین‘‘ والأسدي يقرأ: ’’تعلمون‘‘بكسر التاء، والتيمي ’’يهمز‘‘ والقريش ’’لايهمز‘‘۔‘‘ (تبیان فی مباحث القرآن،ص:۴۴، طاہر الجزائری)

’’یعنی قبیلہ ہذیل ’حتی حین‘ کو ’عتی عین‘ پڑھتے ہیں، اور اسدی لوگ ’تِعلمون‘ بکسر التاء پڑھتے ہیں، اسی طرح تمیمی ہمزہ کو بالتحقیق پڑھتے ہیں اور قریش ہمزہ نہیں پڑھتے ہیں۔‘‘

اسی طرح قبیلہ قیس کے لوگ تانیث کے کاف کا تلفظ شین سے اس طرح کرتے ہیں کہ ’’قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا‘‘ کو ’’رَبُّشِ تَحْتَشِ سَرِیًّا‘‘ پڑھتے ہیں، تمیمی ’’أَن‘‘ کو ’’عن‘‘ ادا کرتے ہیں اور یہی تمیمی ’’سین‘‘ کی جگہ ’’ثا‘‘ کا تلفظ کرتے تھے، مثلاً: ’’برب الناث، ملک الناثِ‘‘ پڑھتے تھے۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ جب لب ولہجہ کے اختلاف میں قبائل عرب کا یہ حال تھا، تو اہل عجم کا

www.Banuri.edu.pk

کیا پوچھنا؟ یوں بھی لب ولہجہ اور زبان کا اختلاف آپ کو ہر دور میں ملے گا۔ اب اگر قرآن کریم کی کتابت وطباعت مختلف انداز، تلفظ اور طرح طرح کے لب ولہجہ کے لحاظ سے ہوتی تو آج ہمارا کیا حال ہوتا؟ امت عظیم اختلاف وتفریق کا شکار ہو کر رہ جاتی، اسی کے ساتھ دوسرا مسئلہ یہ بھی درپیش تھا کہ عوام الناس معلمین سے قرآن سیکھتے، پڑھتے اور دوسروں کو تعلیم دیتے رہے، ان معلمین میں بعض تعلیم کے وقت کچھ تشریحی وتوضیحی کلمات کا اضافہ بھی کرتے تھے اور متعلمین بعض مرتبہ اسے قرآن کا جزو سمجھ کر محفوظ کر لیتے تھے، مثلاً: ''لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّکُمْ''...... ''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی نسخہ میں ''في مواسمِ الحج'' کے الفاظ لکھے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایام حج میں تجارت کر کے کچھ مالی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اب ظاہر بات ہے کہ یہ اضافہ محض توضیح وتشریح کی غرض سے تھا۔ اسی طرح ہر تلفظ کی ادائیگی کے لیے پیغمبر ﷺ نے جو اجازت دی تھی، اس میں بھی مبالغہ ہونے لگا اور نوبت سخت قسم کے اختلافات ''کَفَّرَ بعضُهم بعضًا'' تک پہنچنے لگی۔

چنانچہ عہد عثمانی میں فتح آرمینیہ اور آذربائیجان ۳۰ھ کے وقت شام اور عراق کی فوجیں ایک جگہ جمع تھیں، ان دونوں کی قراءت میں تشویشناک حد تک اختلاف پایا گیا، ہر شخص اپنی قراءت کو دوسرے سے افضل قرار دیتا۔ اس جنگ میں دیگر اصحابؓ کے ساتھ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہیں سخت تشویش ہوئی، پوری تفصیل بخاری شریف صفحہ: ۷۴۶ میں موجود ہے، اسی طرح مشکوۃ، باب فضائل القرآن، صفحہ: ۱۹۳، اور النشر، جلد: ۱، صفحہ: ۷ میں مذکور ہے، جبکہ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۴۴۴ھ) کی کتاب ''المقنع'' کو نظم کرتے ہوئے اپنے قصیدۂ رائیہ کے شعر نمبر: ۳۱ سے نمبر: ۳۴ تک کے چار اشعار میں اس کو بیان کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑا دکھ ہوا اور واپس ہو کر آپ نے خلیفۂ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ بیان کر کے ان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ قراءت کو رسم الخط کا پابند اور اضافہ جات کو حذف کیا جائے اور جمع شدہ قرآن سب کے روبرو لایا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے عہد صدیقی کا جمع کردہ قرآن مجید منگوا کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا۔ (بخاری شریف، ج:۲، ص:۷۸۴)

ان حضرات کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ تاکید کی گئی کہ اس رسم الخط میں تمام قراءات متواترہ ثابت ہوں، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ 'الاتقان، جلد: ۲، صفحہ: ۲۸۹ میں لکھتے ہیں کہ جہاں تک مشہور اور مختلف قراءات کا تعلق ہے، جیسے: ''أوصٰی اور وصّٰی، تجری تحتها اور من تحتها، سیقولون اللّٰه اور سیقولون لِلّٰهِ، فتبیّنوا اور فتثبّتوا، وغیرہ'' یہ سب قراءتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں موجود تھیں اور چونکہ اس میں نقطے اور اعراب نہیں تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بعض الفاظ کو جن میں مختلف قراءات

تھیں انہیں کئی طریقے سے پڑھا جا سکتا تھا۔

قراءاتِ متواترہ کو ثابت اور باقی رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی اجازت خود حدیث مشہور سے ثابت ہے، ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ نے ''إن هذا القرآن أُنزل علٰی سبعة أحرف فاقرؤا ماتیسر منه۔'' (متفق علیہ، بخاری، ج:۲،ص:۷۴۷۔مسلم، ج:۱،ص:۲۷۲)

دوسری تاکید یہ تھی کہ دورانِ تلاوت جہاں اختلاف ہو اور مشکل پیش آئے وہاں لغت قریش کو ترجیح دیتے ہوئے اسی کے مطابق لکھا جائے، کیونکہ قریش ہی کی لغت میں قرآن نازل ہوا ہے، چنانچہ قراءتِ قرآن کے بارے میں یہی اختلاف ونزاع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن کریم کو کتابی صورت میں جمع کرنے وکتابت کا حکم فرمانے کا اساسی وبنیادی سبب تھا۔ اس مہتم بالشان خدمت قرآن کی تکمیل کے بعد مشہور قول کے مطابق قرآن مجید کے پانچ نسخے لکھے گئے۔ (الاتقان، ج:۱،ص:۱۰۴)

یہ نسخے مدینہ طیبہ، مکہ مکرمہ، شام، بصرہ اور کوفہ روانہ کیے گئے۔ دراصل سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا منشأ یہ تھا کہ صرف تحریر کردہ قرآنی نسخوں ہی پر قناعت نہ کی جائے، بلکہ براہِ راست و بالمشافہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے منہ سے قرآن سن کر اپنے سینوں میں محفوظ کرلیں، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کہیں کوئی قرآنی نسخہ روانہ فرماتے تو اس کے ساتھ ایک معلم وقاری بھی بھیجتے تھے۔ اس لیے مذکورہ پانچوں شہروں کے لیے ممتاز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معلم اور نگران مقرر کیے گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم میں صرف قرآنی نسخے کا پڑھ لینا یا مطالعہ کرلینا کافی نہیں، بلکہ کسی ماہر ومشاق معلم سے بالمشافہ سیکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو، مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کو، شام میں حضرت مغیرہ بن شہاب رضی اللہ عنہ کو، بصرہ میں حضرت عامر بن عبداللہ القیس رضی اللہ عنہ کو، اور کوفہ میں حضرت عبدالرحمٰن السلمی رضی اللہ عنہ کو نگراں مقرر کیا گیا۔ (مناہل العرفان، ج:۱،ص:۳۹۶-۳۹۷)

اور ایک نسخہ آپ نے اپنے لیے خاص فرمایا جسے ''مصحف امام'' کہا جاتا ہے، اس طرح کل تعداد ان مصاحف کی چھ ہوگئی۔ پھر بعض نے تعداد آٹھ بتائی ہے، اس اعتبار سے ساتواں بحرین اور آٹھواں یمن ارسال فرمایا۔ بعض کے نزدیک آپ نے ایک نسخہ مصر بھی روانہ فرمایا۔ (النشر، ج:۱،ص:۷)

قرآنیت کے اصول ثلاثہ میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ جس قرآن کا رسم الخط مصاحف عثمانی کے مطابق ہوگا وہی قرآن کہا جائے گا، اس کے خلاف جائز نہیں۔

قرآن مجید کو مصحف کا نام سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دیا گیا، چنانچہ محمد بن عبداللہ بن اشتہ متوفی ۳۶۰ھ اپنی کتاب ''المصاحف'' میں بطریق موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ جب قرآن کریم کو جمع کرکے اوراق پر لکھا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا کوئی نام مقرر کیا جائے، بعض حضرات نے ''السِّفر'' (پیغامات) تجویز کیا، آپ نے فرمایا: یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے، بعض نے حبشہ میں رائج نام یعنی ''المصحف'' تجویز کیا جس پر اتفاق ہوگیا اور قرآن

مجید کو ''المصحف'' کہا جانے لگا۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا علاقوں میں مصاحف روانہ کرکے یہ حکم جاری فرمایا کہ اس کے علاوہ جس کے پاس بھی ذاتی قرآن کے نسخے موجود ہوں وہ حکومت کو بھیج دیئے جائیں، چنانچہ دوسرے تمام نسخے تلف کردیئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کا یہ فیصلہ بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی تھا، کیونکہ بعد میں ان نسخوں کا وجود امت میں زبردست افتراق واختلاف کا سبب بن سکتا تھا، عہد رسالت مآب ﷺ سے جس قدر دوری ہوتی جاتی، اسی قدر یہ نسخے امت مسلمہ کے لیے زیادہ مضر ثابت ہوتے۔

فائدہ مہمہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن کریم کے جن کلمات میں ایک سے زائد قراءتیں متواتر دلیل سے ثابت نہیں تھیں، ان کو ایک ہی طرح سے لکھا جاتا تھا، لیکن جن کلمات قرآنی میں بدلیل تواتر ایک سے زائد قراءتیں تھیں ان تمام قراءتوں کا اظہار صرف ایک ہی رسم الخط کے ذریعہ ہر جگہ ممکن نہ تھا، اس لیے کتابت کرنے والے ایسے تمام کلمات کو ایک نسخہ میں ایک متواتر قراءت کے اظہار کے لیے ایک طرح اور دوسرے نسخہ میں دوسری متواتر قراءت کے اظہار کے لیے دوسری طرح اور تیسری متواتر قراءت کے اظہار کے لیے تیسرے نسخے میں تیسری طرح لکھنے پر مجبور تھے، اس مجبوری میں مصاحف میں تعدد ناگزیر تھا۔

بہرحال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو سب حضرات نے بڑی وقعت اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، قرآن کریم کے ذاتی وانفرادی نسخوں کے معدوم کیے جانے کا اقدام آپؓ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشوروں کے بعد کیا تھا، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ: عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو، بخدا آپ نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا وہ ہمارے مشورے کے مطابق اور ہماری موجودگی میں کیا۔ (الاتقان، ج:۱، ص:۱۰۳) بعض نے کہا کہ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

بہرحال ان مصاحف عثمانی میں نقطے اور اعراب نہیں تھے جن کا فائدہ یہ تھا کہ مختلف قراءات پڑھی جاسکتی تھیں، نیز ان میں آیات اور سورتوں کی بعینہٖ وہی ترتیب تھی جو کہ موجودہ قرآنی نسخوں میں ہے۔

اس امر میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ قرآن مجید فرقان حمید کے سوا دنیا کی کسی کتاب کی حفاظت کے لیے وہ اہتمام نہیں کیا گیا جو قرآن کے حصے میں آیا، قرآن کریم کے سوا دنیا میں کوئی کتاب بطریق تواتر انسانوں تک نہیں پہنچی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ''، یعنی باطل اس قرآن میں نہ آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے (کسی راہ سے جگہ نہیں پاسکتا) یہ حکمت والے، سزاوار حمد وثنا کا نازل کردہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے لفظاً ومعنًی، رسماً وکتابۃً ہر اعتبار سے خود رب العزت ہی محافظ ہیں، قال تعالیٰ: ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔''

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا امت مسلمہ پر یہ عظیم احسان ہے کہ آپ نے رسم الخط وکتابت

کی حد تک قرآن پاک میں وحدت کا رنگ پیدا کر دیا ''فجزاه الله عن أمة محمد ﷺ خير الجزاء۔''

دورِ حاضر میں عالم اسلام میں جو مصاحف کہ مروج اور متداول ہیں، ان میں بیشتر کا رسم عموماً مصاحف عثمانیہ کے رسمِ عثمانی کے مطابق ہے، چاہے وہ مصحف حفص ہو کہ زیادہ تر مصر، شام یا سعودیہ میں رائج ہے، جسے مصحف مشارقہ بھی کہا جاتا ہے، یا وہ روایت ''ورش'' اور ''قالون'' والا مصحف ہو جسے مصحف مغاربہ کہا جاتا ہے، اور مراکش، الجزائر اور موریطانیہ وغیرہ میں متداول ہے، یا وہ مصحف نستعلیق ہو جو برصغیر میں مطبوع اور معمول بہ ہے، ''مجمع ملک فهد'' میں بھی اسی نسخہ کو مصحف تاج یا نستعلیق کا نام دیا گیا ہے۔

مذکورہ تین قسم کے مصاحف ہی عالم اسلام یا بلاد اسلامیہ میں پائے جاتے ہیں۔ ان مصاحف میں خصوصاً حذف الف اور اثبات الف کے اعتبار سے جو فرق مشاہدے میں آیا ہے، اس کی اصل بنیاد و دلیل دراصل وہ قدیم مصاحف ہیں جن میں اوپر سے یہ اختلاف چلا آتا ہے، جبکہ ائمہ رسم اور محققین علماء نے بھی بنیاد انہی مصاحف کو بنایا ہے، ان میں امام دانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''المقنع'' متوفی ۴۴۴ھ اور ان کے ارشد تلمیذ امام ابوداؤد بن نجاح رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ اب قرآنی کلمات میں الف کے حذف و اثبات میں اختلاف کے پیشِ نظر پاکستان میں متداول مصحف تاج یا مصحف نستعلیق کے متعلق بعض سطحی نظر رکھنے والے حضرات مسلسل یہ پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ اس پاکستانی مصحف تاج کا رسم غلط اور بلا دلیل ہے، جبکہ حذفِ الف و اثباتِ الف کے دونوں منہج درست ہیں۔

چنانچہ جمع مذکر سالم میں سولہ کلمات، جمع مؤنث سالم میں سات کلمات اور ان کے علاوہ الف سے یاء تک تمام حروف کے بعد آنے والے الف کے مختلف کلمات میں یہی صورتحال ہے کہ حذف الف و اثبات الف میں امام دانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف کہیں ایک ہے، کہیں مختلف ہے، اس بارے میں تقریباً تین سو کلمات ایسے مذکور ہیں کہ جن میں حذفِ الف و اثباتِ الف کی بنیاد ائمہ کے نصوص وروایات اور قدیم مصاحف پر قائم ہے، مصاحف مشارقہ اور مغاربہ میں بالعموم امام ابوداؤد بن نجاح رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے، جبکہ برصغیر کے متداول مصاحف میں امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کے نصوص وتصریحات پر عمل کیا گیا ہے، لہٰذا بیک جنبشِ قلم اس کی تغلیط نہیں کی جاسکتی، کیونکہ منہج دونوں صحیح ہیں اور کسی میں رسم عثمانی کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔ ان تمام مناہج کے اصول وضوابط اور ان کے دلائل امام ابوعمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''المقنع'' اور امام ابوداؤد بن نجاح کی ''التبيين لهجاء التنزيل'' اور امام شاطبی ضریر رحمۃ اللہ علیہ کی ''عقيلة أتراب القصائد'' میں موجود ہیں۔

البتہ رسم عثمانی کے جن کلمات میں امام ابوعمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ میں باہمی اتفاق ہے، وہاں مصحف تاج میں بھی اسی رسم کی پابندی کی گئی ہے، جہاں اختلاف ہے ان میں امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات پر دارومدار رکھا گیا ہے، کچھ کلمات ایسے بھی ہیں جن میں امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کی نصوص کو مدنظر رکھا گیا ہے اور

خاص ان کلمات میں امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف امام ابوعمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ سے الگ ہے۔ اسی طرح اس مصحف تاج میں تقریباً دس کلمات ایسے ہیں جو اس منہج سے مختلف ہیں، ان میں یا تو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے رسم عثمانی کے امام کے قول کو لیا گیا ہے، چند کلمات ایسے بھی ہیں کہ جن میں بعض قراءات متواترہ کی بنا پر حذفِ الف کو اختیار کیا گیا ہے، اس مصحف تاج اور دوسرے مصاحف خصوصاً مصحف مدینہ کے مابین موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کل (۱۷۴۶) کلماتِ رسم میں یہ فرق ہے، جن میں تقریباً ۹۸ ر فیصد میں مصحف تاج میں امام ابوعمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ کے منہج کو لیا گیا ہے اور مصحف مدینہ میں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا منہج اختیار کیا گیا ہے۔

اب چند سالوں سے پاکستان میں ایک مخصوص لابی پاکستانی مصاحف کے رسم اور ضبط سے متعلق شکوک وشبہات پھیلا رہی ہے، چونکہ اس مسئلہ پر کوئی مدلل اور مرتب دستاویز منظر عام پر نہ تھی جس کی وجہ سے عالم عرب کے بعض اسکالرز اور ان کی دیکھا دیکھی بعض ہمارے پاکستانی اسکالرز بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے کہ عالم عرب میں متداول اور مروج مصاحف خواہ وہ مصری ہوں یا مدنی وہ تو رسم عثمانی کے عین مطابق ہیں اور پاکستانی مصاحف رسم عثمانی کے خلاف ہیں، لہٰذا اب پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہوگیا ہے کہ رسم قرآنی اور برصغیر پاک و ہند کے مروج مصاحف سے مدلل ومرتب دستاویزی ثبوت کے ساتھ کتاب ترتیب دی جائے، جس میں ساری جزئیات، تفصیلات اور مقامات درج ہوں اور دلائل واضحہ سے اس مسئلہ کو مبرہن کیا جائے، امت مسلمہ کو آگاہی دی جائے اور ان کی آنکھیں کھولی جائیں۔ انہیں معلوم ہو کہ امت مرحومہ نے کبھی بھی کسی گمراہی اور سنگین غلطی پر اتفاق نہیں کیا اور ان شاء اللہ! کبھی کرے گی بھی نہیں، چہ جائے کہ رسم قرآنی پر پورے برصغیر کے اہل علم ارباب رسم محققین، ائمہ قراءات ومجودین، ماہرین فن قاطبۃً کتاب اللہ کے رسم پر یکے بعد دیگرے ضلالت وغوایت کا شکار ہوجائیں، کلا وحاشا۔

اس فتنے کا سد باب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کی وزارت مذہبی امور پاکستان میں طبع ہونے والے تمام مصاحف قرآنی میں اپنے رسم عثمانی کی پوری حفاظت وپابندی کرے، ان میں واقعۃً جو اغلاط ہوں ان کی درستگی کے لیے ماہرین رسم عثمانی اہل علم وفضل کا انتخاب کرے، اس کا مربوط ومستحکم نظم قائم کرے، تاکہ قرآنی نسخوں کی طباعت میں رسم عثمانی کی پابندی کو یقینی بنایا جاسکے۔

تاج کمپنی ودیگر مطابع، اہل علم محققین علمائے رسم کا ایک بورڈ تشکیل دیں جو اِن اغلاط کی درستگی کا اہتمام کرے جو فی الواقع اصل رسم کی رُو سے قابل اصلاح ہیں اور جن کی نشاندہی مختلف مقالوں میں کردی گئی ہے۔

واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ